ڈاکٹر شائستہ پروین *

امام غزالیؒ اور فلسفۂ تصوف

احیاء علوم الدین کا ایک تجزیاتی مطالعہ

پورا نام محمد بن محمد بن احمد ہے ابو حامد کنیت ہے غزالی سے شہرت پائی آپ حجۃ الاسلام سے بھی مشہور ہیں جملہ علوم وفنون میں یکتائی کے علاوہ تصوف میں فقید المثال ہیں۔

طوس میں ۴۵۰ھ ۱۰۵۸ء میں ولادت ہوئی وفات ۱۴ رجمادی الآخر ۵۰۵ھ بمقام طاہران پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ ۵۴۔۵۵ برس کی عمر پائی۔ والد ماجد کا نام امام محمد بن محمد ملتا ہے امام غزالی امام قشیری، شیخ ابو اسحاق شیرازی، شیخ ابن سباغ اور اپنے استاد امام الحرمین عبدالملک کے عقائد سے متاثر تھے اصول میں اشعری اور فروع میں شافعی مسلک کے تابع تھے [۱]

امام صاحب کے شاگرد نہایت کثرت سے تھے خود امام صاحب نے ایک خط میں ایک ہزار تعداد بیان کی ہے ان میں سے بعض بڑے نامور گزرے ہیں محمد بن تومرت جس نے اسپین میں خاندان تاشفین کو مٹا کر ایک نہایت عظیم الشان سلطنت کی بنیاد ڈالی، امام صاحب ہی کا شاگرد تھا علامہ ابو بکر عربی جو اندلس میں شہرت عام رکھتے تھے امام صاحب کے شاگرد تھے [۲]

آپ نے سینکڑوں تصانیف چھوڑیں جن میں سے بعض کئی کئی جلدوں میں اور گوناگوں مضامین سے متعلق ہیں امام صاحب کی سب سے گراں قدر اور مفید عام کتاب احیاء علوم الدین ہے اس کی زمانہ تصنیف کی نسبت ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ ''وہ سفر کی حالت میں لکھی گئی'' اس پر بعض علماء نے اعتراض بھی کیا کہ ''ایک ایسی کتاب جس میں نہایت کثرت سے ہر موقع پر احادیث وآثار کے حوالے ہوں سفر میں نہیں لکھی جاسکتی'' لیکن اس بات کے معلوم ہونے کے بعد کہ احادیث وآثار کا تمام تر حصہ قوت القلوب سے لیا گیا ہے یہ اعتراض خود بخود اٹھ جاتا ہے [۳]

احیاء العلوم کی اہمیت وانفرادیت کا اندازہ اس پر لکھی جانے والی شروح اور تعلیقات سے بھی لگایا جاسکتا ہے:

''ابو الفرج ابن الجوزی (المتوفی ۵۹۷) نے ''منہاج القاصدین'' کے نام سے اس کی ایک شرح

---

* فیکلٹی ممبر شعبۂ سنی دینیات، ویمنس کالج علی گڑھ

لکھی، ابن قیم (المتوفی ۷۵۱ھ) نے اس پر اعتراضات کیے اور قطب شعرانی "الاجوبہ المرضیہ" کے نام سے اس کا مفصل جواب لکھا۔ امام زین الدین ابوالفضل عبدالرحیم بن حسین عراقی نے اس میں مندرجہ احادیث کی تخریج کی اور ان کے شاگرد شہاب الدین بن حجر عسقلانی نے اس پر استدراک رقم فرمایا۔ اس طرح شیخ قاسم حنفی نے بھی "تحفۃ الاحیاء" کے نام سے ایک کتاب اس کی احادیث کے بارہ میں لکھی۔ صاحب تاج العروس مرتضیٰ زبیدی نے بارہویں صدی میں دس جلدوں میں اس کی شاندار شرح لکھی جو ۱۰۳۲ اور ۱۳۱۱ میں مصر میں چھپ چکی ہے اور قبول عام حاصل کر چکی ہے غزالی کے متعلق یہ ایک مستند ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے اس کی متعدد تلخیصیں بھی لکھی گئیں۔ چنانچہ پہلی تلخیص تو خود غزالی کی اپنی ہی ہے ان کے بعد ان کے بھائی احمد غزالی نے بھی "لباب الاحیاء" کے نام سے ایک تلخیص لکھی اور پھر تو گویا تلخیص نگاروں کا تانتا سا بندھ گیا محمد بن سعید یمنی، یحییٰ بن ابوالخیر یمنی، محمد بن عمر بن عثمان بلخی، عبدالوہاب بن علی خطیب مراغی، شمس محمد بن علی بن جعفر بلالی اور جلال الدین سیوطی۔ ان تلخیصات میں بلال کی تلخیص کو حافظ سخاوی نے سب سے بہتر قرار دیا ہے۔[۴]

اس کے بہت سے تراجم لکھے جا چکے ہیں فارسی زبان میں مولانا جامی نے ترجمہ کیا اردو زبان میں مولوی احسن نانوتوی کا سب سے پہلا ترجمہ ہے۔ اس کتاب کو مصر کے بعض مطابع نے شائع کیا ہے۔

احیاء العلوم کی مشرق و مغرب اور علماء اور عوام میں یکساں مقبولیت ہوئی ابوالعباس نے اس کے بارے میں لکھا ہے۔

ابوالعباس نے اس کے بارے میں لکھا ہے

ابا حامد انت المخصص بالحمد

انت الذی علمتنا سنن الرشد

اے ابوحامد تیری خاص طور پر تعریف کرتا ہوں (کیوں کہ) تو ہی نے ہمیں رشد و ہدایت کی راہیں سمجھائی ہیں۔

وضعت لنا الاحیا یحیی نفوسنا

وینقذ نا من ربقۃ المارد المردی

تم ہی نے ہمارے لیے "احیاء" ایسی کتاب تصنیف کی ہے جو ہمیں زندگی بخشتی ہے اور ہر مہلک لحہ کی اطاعت سے باز رکھتی ہے۔

علامہ نووی نے کہا ہے:

کادان یکون قرآنا۔ یہ قرآن مجید کا ثنیٰ ہے۔

ان کی غرض غالباً یہ ہے کہ جس طرح قرآن حکیم کے مطالب براہ راست ان کو متاثر کرتے ہیں اور جس طرح ان کے انداز بیان میں تصنع اور بناوٹ کا عنصر نہیں پایا جاتا اسی طرح ''احیاء العلوم'' کے مضامین عقل و ادراک کی موشگافیوں میں پڑے بغیر قلب میں جاگزیں ہوتے ہیں اور پڑھنے والے پر چھا جاتے ہیں۵

محدث زین الدین عراقی کا قول ہے کہ ''امام غزالی کی احیاء'' اسلام کی اعلیٰ ترین تصنیفات سے ہے'' عبدالغافر فارسی جو امام صاحب کے ہم عصر اور امام الحرمین کے شاگرد تھے ان کا بیان ہے کہ ''احیاء العلوم کی مثل کوئی کتاب اس سے پہلے نہیں لکھی گئی''۔ شیخ ابو محمد کازرونی کا دعویٰ تھا کہ ''دنیا کے تمام علوم مٹا دیئے جائیں تو احیاء العلوم سے میں سب کو دوبارہ زندہ کردوں گا، شیخ عبداللہ عید کو جو بہت بڑے مشہور صوفی گزرے ہیں، احیاء العلوم قریب قریب پوری حفظ تھی شیخ علی نے ۲۵ دفعہ اول سے آخر تک احیاء العلوم کو پڑھا اور ہر دفعہ ختم کے بعد فقراء وطلبہ کی عام دعوت کرتے تھے۶

بعض اسلامی فرقوں میں تصوف کی مخالفت کے باوجود بڑے بڑے سنی علماء، مثلاً ابن الجوزی، ابن تیمیہ اور ابن قیم اخلاقیات میں غزالی کے بلند مرتبے کا احترام کرتے ہیں اور انہیں اخلاقیات میں حجت تسلیم کرتے ہیں اور امام آپ کی ''احیاء'' جیسی شاہکار تصنیف سے رہنمائی اور ہدایت طلب کرتے رہے ہیں ۷

تصوف کی دنیا میں امام غزالی کو ایک عظیم مقام حاصل ہے احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت اس موضوع پر منفرد کتابیں ہیں۔ ان دونوں کتب میں امام صاحب نے شریعت اور عرفان تصوف میں تطبیق کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اور ثابت کیا ہے کہ تصوف شریعت سے جداگانہ کوئی چیز نہیں ہے آپ نے تصوف کے تمام مسائل واحوال اور مقامات کو شرعی استدلال کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ان دونوں کتابوں میں خطاب ساری امت سے ہے جس سے غزالی کا مقصد ملت اسلامیہ میں روحانیت کی متصوفانہ ذہنیت کو بحال کرنا تھا۔

احیاء العلوم میں آپ کا انداز بیان اور اسلوب نگارش سادہ اور عام فہم ہے عالمانہ طرز کو اپنی تحریر میں استعمال نہیں کیا ہے کتنا ہی دقیق اور باریک مضمون ہو وہ اس کو سادہ سے سادہ طریقہ پر ادا کرتے ہیں۔ معطقیانہ استدلال سے گریز کرتے ہوئے آثار واخبار سے استدلال کرتے ہیں۔

غزالی میں دوسرے علماء کے مقابلے توازن پایا جاتا ہے غزالی الفاظ کی معنویت کے ساتھ اس کے ظاہر کو بھی ملحوظ خاطر رکھتے ہیں اس کی اہم وجہ تصوف کے میدان میں قدم رکھنے سے قبل ایک عالم دین ہونا ہے۔

امام صاحب نے فقہ میں تصوف کو سمو کر بیان کیا ہے۔ جس سے دونوں کی قدر و قیمت میں اضافہ ہو جاتا ہے امام صاحب کے نظریہ کے مطابق اگر فقہ وقانون میں تصوف کا عنصر موجود نہ ہو تو اسلام کی مطلوبہ معنویت پیدا نہیں ہو پاتی بلکہ ایک انداز کا جمود پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر تصوف کو شریعت کی قید سے آزاد چھوڑ دیا جائے تو یہ تصوف دینی راستہ

سے ہٹ جاتا ہے اور ایمان واخلاص کے جذبوں کو ابھارنے کے بجائے گمراہی وضلالت کا باعث ثابت ہوتا ہے "احیاء" میں فقہ اور تصوف کے مابین اعتدال خصوصیت کے ساتھ موجود ہے۔

امام صاحب وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اخلاق کی تعلیم میں اختلاف طبائع کا لحاظ رکھا ہے کہ جو شخص قدرتاً معاشرت پسند ہو اس کے لیے تجرد اور ترک تعلقات ہرگز پسندیدہ نہیں ہیں بلکہ معاشرت کے اصول اور قواعد بتانے چاہئیں جس سے معاشرتی نیکیاں ظہور پذیر ہوں مثلاً صلہ رحمی، حاجت روائی وغیرہ اسی طرح جو تجرد پسند ہو اسے گوشہ گیری اور ترک تعلقات کے اصول سکھلانے چاہیں جن سے اعتدال کا راستہ برقرار رہ سکے۔

مختلف بحثوں میں اعتراض کرنے والوں کا قول نقل کرنے سے پہلے اس کا جواب تحریر کر دیا ہے تاکہ ذہن میں کسی طرح کا شک وشبہ باقی نہ رہے مثلاً

بچوں کی ابتدائی تعلیم میں سیر، ورزش جسمانی اور مردانہ کھیلوں کو لازمی قرار دیا ہے گانے کے متعلق بحث میں اعتراض سے قبل یہ جواب نقل کر دیا ہے لکھتے ہیں۔

علی أنی اقول: اللهو مروح للقلب ومحفف عنه اعباء الفكر، والقلوب اذا اكرهت عميت و ترويحها اعانة لها على الحد..... والمواظب على نوافل الصلوات فى سائر الاوقات ينبغى ان يتعطل فى بعض الاوقات..... فالعطلة معونة على العمل واللهو معين على الحد۸

اس کے علاوہ میں کہتا ہوں کہ لہو ولعب دل کو فرحت دیتا ہے اور اس سے فکر کی تھکن کم ہو جاتی ہے دل کا یہ حال ہے کہ جب وہ کسی چیز سے گھبرا جاتا ہے تو اندھا ہو جاتا ہے، اس لیے اس کو آرام دینا اس بات کے لیے تیار کرنا ہے وہ پھر کام کے قابل ہو جائے، جو شخص رات دن نفلیں پڑھا کرتا ہے اس کو چاہیے کہ بعض اوقات خالی بیٹھے، کیوں کہ خالی بیٹھنا کام کرنے پر اور کھیل کود میں مصروف ہونا سنجیدہ مشاغل کے لیے آدمی کو تیار کر دیتا ہے۔

جب عبادت کا ذکر کرتے ہیں تو اس کی تائید میں قرآن وحدیث کی تصریحات پیش کرتے ہیں اور اس سے متعلقہ مسائل پر ضروری گفتگو فرماتے ہیں مثلاً نماز کی فضیلت کے بارے میں قرآن کریم سے استدلال کرتے ہیں اور سورۃ النساء کو بطور حوالہ لکھتے ہیں:

قال الله تعالىٰ: إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَاباً مَّوْقُوتاً (النساء:۱۰۳)

پھر اللہ کے رسول کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

خمس صلوات كتبهن الله على العباد فمن جاء بهن ولم يضيع منهن شيأ استخفافا بحقهن كان له عند الله عهد أن يدخله الجنة ومن لم يات بهن فليس له عند الله عهد ان شاء عذ به وان شاء ادخله الجنة

پانچ نمازیں اللہ نے بندوں پر فرض فرمائی ہیں جو انہیں ادا کرتا ہے ان کے حق کو ہلکا نہ سمجھتے ہوئے کسی قسم کی کمی نہیں کرتا اور اس کا اللہ کے ہاں عہد ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل کرے اور جو ان کے حقوق ادا نہیں کرتا اللہ کے یہاں اس کا کوئی عہد نہیں اگر چاہے اسے عذاب دے چاہے اسے بہشت میں داخل کرے۔

اسی ضمن میں مزید احادیث بھی تحریر کی ہیں۔

قال رسول الله :مثل الصلوات الخمس.....

قال رسول الله : ان الصلوٰت كفارة.....

قال رسول الله: من لقى الله.....

قال رسول الله : مفتاح الجنة الصلاة.....

قال النبى صلى الله عليه وسلم : من ترك صلاة متعمدا فقد كفر.....

ساتھ ہی مطلب بھی واضح کیا ہے۔

اى قارب ان ينحلع عن الايمان بانحلال عروته وسقوط عماده كمايقال لمن قارب البلدة انه بلغها ودخلها ۹

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص کفر کے قریب ہو گیا کہ اس کے تمسک اسلام کی رسی ڈھیلی ہو گئی اور سہارا گر گیا مثلاً کوئی شخص شہر کے قریب پہنچتا ہے تو کہا کرتے ہیں کہ شہر میں پہنچ گیا۔

آپ نماز میں خشوع وخضوع کو اہم درجہ دیتے ہیں اور قرآن کی آیات سے استدلال کرتے ہیں اور سورہ نساء آیت ۴۳ میں سکاری سے مراد لہو وتغافل کو نماز میں نشہ سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ علت بیان کرتے ہیں کہ کتنے ہی نمازی ایسے ہیں جنہوں نے شراب چکھی تک نہیں، لیکن اس کے تغافل وسہو کا یہ حال ہے کہ وہ نہیں جانتے کہ نماز میں کس سے مخاطب ہیں اور کیا کہہ رہے ہیں:

قيل: سكارى من كثر الهم وقيل من حب الدنيا و قال وهب المراد به ظاهره فقيه تنبيه على سكر الدنيا اذبين فيه العلة فقال:(حتى تعلموا ماتقولون) وكم من مصل لم يشرب خمرا وهو لايعلم مايقول فى صلاة ۱۰

بعض نے آیت میں سکاری کو ہموم دنیا سے تعبیر کیا ہے بعض نے دنیا کے مترادف قرار دیا ہے وہب کا کہنا ہے کہ اگر چہ اس سے مراد ظاہری معنی ہی ہیں تاہم اس میں سکر دنیا کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے کیوں کہ اس میں جو علت مذکور ہے وہ یہ ہے:

حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ (نساء:۴۳)

تا آنکہ جو تم کہتے ہو اس کا تمہیں احساس ہونے لگے۔

عبادات سے متعلق مسائل میں جہاں ضرورت محسوس ہوئی وہاں آئمہ فقہ کے نظریات بھی پیش کیے ہیں۔
مذکورہ تصریحات کے ساتھ نماز کی روح اور اصل کیا ہے اور خشوع وخضوع کا کیا درجہ ہے؟ معمولی سی غلطی کس درجہ نقصان دہ ہے سب پر گفتگو فرماتے ہیں بتاتے ہیں کہ اسلاف کی نماز پڑھتے وقت کیا حالت ہوا کرتی تھی شوق ومحویت کا کیا عالم ہوتا تھا خوف الٰہی میں کتنا ڈوبے رہتے تھے نماز کے ضمن میں حضور قلب ان کا خاص موضوع ہے فقہاء ظاہر کے نزدیک تو ایک شخص اگر صرف تکبیر تحریمہ کی حد تک حضور قلب کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتا ہے تو اس کی نماز ہو جاتی ہے لیکن ان کے نزدیک حضور قلب پوری نماز میں ملحوظ رہنا چاہیے اس مرحلہ پر انھوں نے ایک لطیف بحث یہ چھیڑی ہے کہ عبادات ومعاملات میں کیا فرق ہے؟ ان کا کہنا ہے کہ معاملات میں قصد وارادہ کی پاکیزگی یا فکر وقلب کی یکسوئی اور اخلاص بلاشبہ شرط صحت نہیں مگر عبادات میں یہ چیزیں نہایت ضروری ہیں۔

اسی طرح صدقات کی بحث میں صرف یہ نہیں بتاتے کہ صدقات کی کیا حیثیت ہے؟ کن حالات میں کن لوگوں پر یہ فرض ہے اور کہاں کہاں کن صورتوں میں مستحب ہے یا ان کا محل ومصرف کیا ہے۔ کہ یہ سب بحثیں خالص فقہی انداز کی ہیں ان کا اصلی موضوع یہ ہے کہ صدقات سے کس طرح ایک مکمل عبادت کا کام لیا جاسکتا ہے مثلاً ان کے ہاں اس سلسلے میں یہ بحث زیادہ اہم ہے کہ سر واظہار میں کون سی صورت ایسی ہے جو زیادہ اخلاص واحسان کے نقوش کو ابھارنے والی ہے؟ دونوں کے دلائل کیا ہیں اور کس دلیل میں، باطن وقلب کے نقطہ نظر سے زیادہ وزن ہے اس کے پہلو بہ پہلو پھر یہ اسلاف کے طرز عمل کی ایسی مثالیں پیش کرتے ہیں جو نہایت درجہ دل نشیں، موثر اور ایمان آفریں ہیں۔

روزہ کا ذکر کرتے ہیں تو اس کی روح اور فلسفہ پر زیادہ زور دیتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ جہاں کھانے پینے یا جنسی فعل سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے وہاں جھوٹ، غیبت اور ریا سے بھی متاثر ہو جاتا ہے امام صاحب روزہ کے سلسلے میں اس حقیقت کو مختلف طریقوں سے ذہن نشیں کرانا چاہتے ہیں کہ جس طرح اس کا ایک ظاہر ہے اسی طرح اس کی ایک روح اور باطن بھی ہے ان کا موقف یہ ہے کہ عبادات میں معانی باطنہ کی نزاکتوں کا خیال رکھنا ظواہر کی رعایت سے کہیں زیادہ اہم ہے۔

اسی طرح حج کی تفصیلات میں ادب، شوق، بے قراری، بے تابی جیسی کیفیات کا استحضار حاجی کے لیے ضروری قرار دیتے ہیں۔

بعض اخلاقی صفات میں باہم اس قدر نازک فرق ہے کہ ان کا امتیاز کرنا نہایت مشکل ہے آج عام بداخلاقی کا بڑا سبب یہی ہے کہ وہ ان صفات میں فرق نہیں کر پاتے اور ان میں مبتلا ہو جاتے ہیں امام صاحب نے ان مشتبہ الصورہ اوصاف کو نکتہ سنجی سے بیان کیا ہے۔ ان میں سے ایک بخل اور جود وسخاوت ہے بخل کی متعدد تعریفیں کی گئیں ہیں، ایک گروہ

کہتا کہ نفقہ واجب کا نہ ادا کرنا بخل ہے۔ بعض لوگ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص کو روپیہ پیسہ دنیا گراں گزرے وہ بخیل ہے علاوہ ازیں ہر انسان کا دل نفس مال کی محبت سے خالی نہیں اسی محبت کی وجہ سے مال کی حفاظت میں تنگی کرتا ہے اگر صرف تنگی ہی سے بخیل سمجھا جائے تو اس سے بھی کوئی خالی نہیں اگر تنگی سے بخل نہ ہو تو پھر بخل کے کیا معنی ہیں؟

اسی طرح جود وسخاوت میں بھی مختلف احوال ہیں بعض کہتے ہیں کہ سخاوت اس کا نام ہے کہ بلا تامل ضرورت پوری کرے اور احسان جتلائے بغیر کسی کو کچھ دے بعض کے نزدیک جو داس عطا کو کہتے ہیں جو بن مانگے کسی کو دے، اور یہ تصور کرے کہ تھوڑا دیا بعض کے نزدیک سائل کو دیکھ کر خوش ہونا اور اپنے دینے سے فرحت محسوس کرنے کا نام جود ہے۔ لیکن امام صاحب نے اس کی تحقیق یوں کی ہے۔

المال خلق لحكمة ومقصوده وهو صلاحه لحاجات الخلق، و يمكن إمساكه عن الصرف إلى ماخلق للصرف اليه، ويمكن بذله بالصرف إلا مالا يحسن الصرف اليه، ويمكن التصرف فيه بالعدل..... فالإمساك حيث يجب البذل بخل، والبذل حيث يجب الإمساك تبذير. وبينهما وسط وهو المحمود..... و قد قيل له: ولا تجعل يدك مغلولة..... اسرا ۲۹ وقال تعالى: والذين اذا انفقوا فرقان:٦٧ ۱۱

اس میں قاعدہ یہ ہے کہ مال ایک حکمت اور مقصود کے لیے پیدا ہوا ہے یعنی مال ضرورت مخلوق کی درستی کے لیے بنا ہے اور یہ ممکن ہے کہ جس چیز میں اسے خرچ کرنا نہیں انہیں میں خرچ کر دیا جائے اور ان دونوں باتوں کے بیچ میں یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا خرچ عدل کے ساتھ ہو یعنی جہاں روکنا ضروری ہے وہاں روکا جائے اور جہاں خرچ ضروری ہو وہاں خرچ کیا جائے پس خرچ کی ضرورت کی جگہ پر روک رکھنا بخل ہے اور روک رکھنے کی ضرورت کی جگہ خرچ کرنا اسراف ہے کہ ان دونوں کے درمیان بین بین خرچ اور تنگی کرنا اچھا ہے اسی لیے چاہیے کہ سخاوت وجود اسی مرتبہ وسط کا نام ہو کیوں حضورؐ کو صرف سخاوت کرنے کا حکم تھا اور پھر یہ ارشاد ہو لو لا تجعل..... والذين اذا انفقوا.....

قوم کی تہذیب وترقی کا دارومدار تعلیم وطرز تعلیم پر ہے اسلام میں ایک مدت سے تعلیم کا رواج عام ہو چکا تھا لیکن طرز تعلیم میں ایسی بے اعتدالیاں پیدا ہو گئی تھیں جن کا اثر مذہب، اخلاق اور تمدن پر پڑتا تھا۔ مذہبی اور غیر مذہبی علوم کا باہم خلط ملط ہونا سخت ضرر رساں تھا کیوں کہ غیر مذہبی علوم کو مذہبی خیال کیا جانے لگا اور اسی حیثیت سے اس کی تعلیم دی جانے لگی، لہٰذا امام صاحب نے دونوں مضامین میں تفریق کی اور احیاء العلوم میں اس بحث پر تفصیل سے گفتگو کی ہے:

الباب الثاني في العلم المحمود والمذموم وأقسامهما واحكامهما وفيه بيان ماهو فرض عين وماهو فرض كفاية، وبيان ان موقع الكلام والفقه من علم الدين الى اى حد ۱۲

دوسرا باب اس بیان میں ہے کہ علم محمود کون سا ہے اور مذموم کون، اور یہ کہ ان کے احکام واقسام کیا ہیں اور یہ کہ

ان میں کون سا فرض عین ہے اور کون سا فرض کفایہ اور یہ کہ علم دین میں فقہ اور کلام کا کیا درجہ ہے۔

اس مضمون میں آپ نے علوم شرعیہ وغیر شرعیہ، محمودہ وغیر محمودہ میں تفریق کی ہے اور حصول علم میں تناسب برقرار رکھنے کے لحاظ سے تمام علوم کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے پہلا حصہ جو ''فرض عین'' کے نام سے مشہور ہے وہ ہر مسلمان کیلئے لازمی ہے اور دوسرا حصہ ''جو فرض کفایہ'' کے نام سے موسوم ہے اس کی تعلیم ہر شخص کے لازمی نہیں ہے البتہ اگر چند لوگ بھی اس کی تعلیم حاصل کرلیں تو کافی ہوگا۔ البتہ علماء کے درمیان ''فرض عین'' کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض علماء کے نزدیک ''فقہ'' کو یہ مرتبہ حاصل ہونا چاہیے اور بعض کے نزدیک ''علم معرفت کو''۔ دوسرے علماء کے خیال میں ''علم حدیث'' کو یہ فضیلت ملنی چاہیے امام صاحب کو ان تینوں رایوں سے اختلاف تھا انھوں نے فرض عین کی تعریف اس طرح کی:

فاول واجب عليه تعلم كلمتى الشهادة وفهم معناهما و هو قول:

"لااله الا الله، محمد رسول الله" وليس يجب عليه أن يحصل كشف ذلك لنفسه بالنظر والبحث و تحدير الأدلة بل يكفيه ان يصدق به ويعتقده.....

فرض کیجیے ایک شخص اسلام قبول کرنا چاہتا ہے تو اس پر واجب ہے کہ شہادت کے دونوں کلموں کو سیکھے اور ان دونوں کے معنی سمجھے یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا سیکھنا اور اس کے معنی کا سمجھنا واجب ہے اور یہ ضروری نہیں کہ اس کے بارے میں بحث وتکرار کرے اور دلیلوں کو لکھ کر اس کا یقین کرے بلکہ اسی قدر کافی ہے کہ ان کلموں کی تصدیق کرے اور ان پر اعتقاد رکھے.....

اما الفعل: فبان يعيش من ضحوة نهاره الى وقت الظهر فيتحدد عليه بدخول وقت الظهر تعلم الطهارة والصلاة.....

اور عمل کی مثال یہ ہے کہ مثلاً اگر کوئی شخص چاشت کے وقت سے ظہر تک زندہ رہے تو ظہر کے وقت کے داخل ہونے سے ایک نیا واجب اس پر یہ ہوگا کہ وہ طہارت اور نماز کے مسائل سیکھے

فان عاش الى رمضان تحد د بسببه وجوب تعلم الصوم.....

پس اگر وہ رمضان تک زندہ رہے گا تو رمضان کے سبب سے روزہ کا سیکھنا اس پر واجب ہوگا.....

فان تحد دله مال أو كان له مال عند بلوغه لزمه تعلم مايجب عليه من الزكاة.....

اب اگر اس کے پاس مال ہوجائے یا بالغ ہونے کے وقت ہی سے مال ہو تو اس کے لیے زکوٰۃ کی مقدار واجب کا معلوم ہونا ضروری ہوگا.....

وكذلك فى سائرا لاصناف، فاذا دخل فى أشهر الحج فلا يلزمه المبادرة الى علم الحج.....

اسی طرح تمام اصناف میں تصور کرنا چاہئے پھر جب اس پر حج کے مہینے آئیں تو علم حج سیکھنا اسی وقت ضروری نہیں.....

اذا عزم علیہ لزمہ تعلم کیفیۃ الحج ولم یلزمہ الا تعلم أرکانہ وواجباتہ دون نوافلہ، فان فعل ذلك نفل فعلمہ ایضا نفل فلایکون تعلمہ فرض عین

پس جب حج کا ارادہ کرے، اس وقت اس کو حج کی کیفیت سیکھنا ضروری ہوگا اور صرف اس پر ارکان حج اور واجبات ہی کا سیکھنا واجب ہوگا اور نوافل حج کا سیکھنا واجب نہ ہوگا اس لیے کہ جس چیز کا کرنا نفل ہے اس کا سیکھنا بھی نفل ہے پس نفل کا سیکھنا فرض عین نہ ہوگا[۳]

یعنی آپ کے نزدیک اگر کوئی شخص اسلام قبول کرنا چاہتا ہے، تو اس پر اس صرف کلمہ شہادت کا زبان سے کہنا اور اس پر اعتقاد لانا فرض ہے اس اعتقاد کے لیے دلائل اور براہین کی ضرورت نہیں اب نماز کا وقت آ گیا تو نماز کا سیکھنا فرض ہو جائے گا اسی طرح روزہ، زکوٰۃ، حج لیکن ان فرائض کے صرف ضروری ارکان سیکھنے فرض ہوں گے۔ مستحبات اور نوافل اور دوسری قسم کی تحقیقات اور تفصیلات کا سیکھنا فرض عین نہیں یہ اوامر کا حال ہے نواہی کی تعلیم بھی حسب موقع فرض ہو جائے گی۔ مثلاً کسی شہر میں شراب اور سور کے گوشت کھانے کا رواج ہو تو وہاں شراب وسور کی حرمت کا جاننا فرض ہوگا۔

یہ امر واضح ہے کہ امام صاحب تمام مروجہ علوم کو "فرض کفایہ" قرار دیتے تھے انھوں نے فرض کفایہ کی دو قسمیں بیاں کی ہیں ایک مذہبی اور دوسری دنیاوی انھوں نے مذہبی علوم میں تفسیر، حدیث فقہ، تصوف وغیرہ کو شامل کیا اور اس کی تعلیم ہر شخص کے لیے لازمی قرار دی ہے اور اس کے علاوہ بقیہ دوسرے مضامین کو اختیاری حیثیت دی ہے۔ دوسری قسم کے علوم میں علم طب، ریاضی، زراعت، خیاطی اور گھوڑوں کی نگہداشت (سائیسی) کو شامل کیا امام صاحب پہلے ایسے شخص ہیں جنھوں نے ان علوم کو جن کا ہنر اور فن سے تعلق تھا ایک مناسب اہمیت اور ان کے حصول پر زور دیا انھوں نے اس بات پر زور دیا کہ تعلیم کا مقصد طالب علم کی روحانی ترقی ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ انھوں نے زندگی کی تلخ حقیقتوں اور ضرورتوں کو نظر انداز کر دیا ضروریات زندگی اور کسب معاش کے لیے یہ لازمی ہے کہ انسان کسی نہ کسی طرح کا فن اور ہنر سیکھے۔

علاوہ ازیں انسانی اوصاف حمیدہ مثلاً تواضع وانکساری، حلم وبردباری، صبر وشکر، غصہ پر کنٹرول، لہو ولعب سے احتراز، قناعت پسندی توکل، جود وسخا اور ان کے برعکس بخل، غرور تکبر، غصہ، حسد ورشک، غیبت وغیرہ پر مکمل بحثیں کی ہیں، کیوں کہ اوصاف حمیدہ سے نجات کی راہیں کھلتی ہیں اس لیے ان کو منجیات اور گناہوں کو مہلکات میں شمار کیا ہے۔

توکل وقناعت ایک مشتبہ اور نازک مسئلہ ہے اس مسئلہ کی غلط فہمی نے انسانوں کو کاہل بنا دیا ہے۔ اکثر وبیشتر انسان توکل اور قناعت کو کسب معاش چھوڑ دینا اور اس راستے میں ہر جدوجہد کو غلط تصور کرتے ہیں۔ ان کا ماننا ہے کہ انسان کو صرف خدا پر بھروسہ کرنا چاہیے، وہ رزاق مطلق ہے اور روزی دینا اس کی ذمہ داری ہے۔ آپ نے اس پر نہایت مفصل اور

مدلل بحث کی ہے۔

اس کی ابتدا اس جملے سے کرتے ہیں:

اعلم أن العلم یورث الحال والحال یثمر الاعمال، وقد یظن ان معنی التوکل ترک الکسب بالبدن و ترک التدبیر بالقلب والسقوط علی الارض کالخرقه الملقاة و کاللحم علی الوضم وهذا ظن الجهال، فان ذلك حرام فی الشرع ۱۴

جاننا چاہیے کہ علم ایک کیفیت پیدا کرتا ہے اور کیفیت سے اعمال صادر ہوتے ہیں بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ توکل کے معنی یہ ہیں کہ اکتساب معاش کے لیے نہ ہاتھ پاؤں ہلائے جائیں نہ کوئی تدبیر سوچی جائے بلکہ آدمی اسی طرح بے کار پڑا رہے جس طرح چیتھڑا زمین پر پڑا رہتا ہے یا گوشت تختہ پر رکھا ہوتا ہے لیکن یہ جاہلوں کا خیال ہے کیوں کہ ایسا کرنا شریعت میں حرام ہے۔

توکل کی حقیقت پر آپ نے ایک نہایت بسیط مضمون لکھا ہے اور اس کے عام خیال سے مختلف معنی بیان کئے ہیں لکھتے ہیں:

توکل دراصل توحید کا نام ہے توحید کے اعتقاد سے ایک حالت طاری ہوتی ہے اور اس حالت کی وجہ سے وہ مخصوص افعال صادر ہوتے ہیں جن کی لوگ توکل سے تعبیر کرتے ہیں لیکن پہلے یہ سمجھنا چاہیے کہ توحید کے چار درجہ ہیں، زبانی اقرار، اقرار زبانی اور اعتقاد قلبی، کشف کے ذریعہ سے یہ مشاہدہ ہونا کہ تمام افعال ذات باری تعالیٰ سے صادر ہوتے ہیں اسباب اور وسائط کو کچھ دخل نہیں یہ مشاہدہ ہونا کہ عالم میں ذات باری تعالیٰ کے سوا اور کوئی چیز ہے ہی نہیں ان مراتب چہارگانہ میں سے دو پہلے مدارج کو توکل کے وجود میں کچھ دخل نہیں توکل کی ابتدا تیسرے درجے سے شروع ہوتی ہے یعنی جب بذریعہ کشف یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کی علت صرف ذات باری ہے بیچ کے وسائط اور اسباب بالکل بے کار ہیں تو انسان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ خدا کے سوا اور وسائط واسباب اس کی نظر سے بالکل چھپ جاتے ہیں اس حالت میں وہ جو کچھ کہتا ہے خدا سے کہتا ہے جو کچھ مانگتا ہے، خدا سے مانگتا ہے اسی کا نام توکل ہے ۱۵

غرض یہ کہ امام صاحب نے توکل کی جو حقیقت واحکام بیان کئے ہیں وہ انسان کو کاہلی بے دست وپائی سے دور رکھنا چاہتے ہیں۔

امام غزالی نے ''احیاء العلوم'' کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے اور ہر حصہ میں دس دس کتب ہیں۔

پہلا حصہ عبادات پر مشتمل ہے اس میں کتاب العلم، قواعد العقائد، اسرار الطہارۃ، اسرار الصلوٰۃ اسرار الزکاۃ، اسرار الصیام، اسرار الحج، آداب تلاوت القرآن وغیرہ ابواب کی تفصیل ہے۔

دوسرے حصے میں عادات کی تشریح ہے اس میں اہم بحثیں یہ ہیں۔ الاکل، نکاح احکام الکسب، الحلال

والحرام، صحبت ومعاشرہ، العزلۃ، سفر، سماع وجد، امر بالمعروف ونہی عن المنکر۔

تیسرا حصہ مہلکات کا ہے اس میں عجائب القلب، ریاضۃ النفس، آفات الشہوتین، آفات اللسان، آفات الغضب، ذم دنیا، ذم جاہ وریا وغیرہ مضامین کی وضاحت ہوئی ہے۔

چوتھا حصہ منجیات کہلاتا ہے ان میں جو مضامین بیان ہوئے وہ یہ ہیں توبہ، صبر شکر، خوف، فقر وزہد، توحید وتوکل، محبت وشوق مراقبہ وغیرہ۔

مراجع ومصادر

۱ اویسی فیض احمد: احیاء علوم الدین، مکتبہ رضویہ، مٹیا محل جامع مسجد دہلی ۱۹۹۹ء ج ۱، ص ۳۷۔

۲ ایضاً ج ۱، ص ۳۳۔

۳ نعمانی شبلی: الغزالی، دار المصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ ۱۹۹۷ء، ص ۶۰

۴ ندوی محمد حنیف: افکار غزالی، ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ لاہور ۱۹۵۶ء، طبع اول، ص ۵۳

۵ ایضاً ص ۶۰

۶ نعمانی شبلی: الغزالی ص ۴۶

۷ دائرۃ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور ۱۹۷۵ء ج ۶، ص ۴۲۱

۸ الغزالی: احیاء علوم الدین، کتاب آداب السماع والوجد، دار الکتب العلمیۃ بیروت۔ لبنان ۲۰۰۱ ج ۲ ص ۲۵۶

۹ الغزالی: احیاء علوم الدین، کتاب اسرار الصلوٰۃ، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ لبنان ۲۰۰۱ء ج ۱، ص ۱۴۲

۱۰ ایضاً، ص ۱۴۴

۱۱ الغزالی: احیاء علوم الدین، کتاب ذم البخل وذم حب المال، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ لبنان ۲۰۰۱ء ج ۳، ص ۲۳۶

۱۲ الغزالی: احیاء علوم الدین، کتاب العلم، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ لبنان ۲۰۰۱ء ج ۱، ص ۲۱

۱۳ الغزالی: احیاء علوم الدین، کتاب العلم، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ لبنان ۲۰۰۱ء ج ۱، ص ۲۲

۱۴ الغزالی: احیاء علوم الدین، کتاب التوحید والتوکل، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ لبنان ۲۰۰۱ء ج ۴، ص ۲۳۲

۱۵ نعمانی شبلی: الغزالی، ص ۶۹